ناول میں عصری تاریخ کی پیش کش

ڈاکٹر شاہد نواز*

Abstract:

Novel is the most prominent genre of fiction. It has diverse experiment in its form as well as subjects and themes. Novel usually depicts its contemporary history as well as society. These kinds of novels generally face different kind of problems in their form, plot and characters. This article discusses these difficulties. This article also discusses relationship between novel and contemporary history

زبان وادب انسانی تاریخ اور ارتقاء کا ہم زاد ہے۔ زبان وادب کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہ انسانی ارتقاء کے معلوم آغاز سے لے کر آج تک مشاہد کے ساتھ ساتھ اظہاریئے کا مظہر ہے۔ انسانی ارتقاء اور تاریخ کو دیگر کئی فنون میں دیکھا جا سکتا ہے۔ تمام بڑے علوم وفنون انسانی تاریخ کے گواہ اور بھرپور مظاہر ہیں اور ان میں سے ہر علم اور فن کی جداگانہ حیثیت اور اہمیت ہے۔ زبان دراصل انسانی اظہاریئے کا پہلا باقاعدہ معیاری ذریعہ تصور کیا جاتا ہے۔ اگرچہ زبان کو جدید دور کے صاحبان علم وفن کلچر کا حصہ سمجھتے ہیں۔ مگر یہ بات نہایت اہم ہے کہ زبان کلچر کا نہ صرف بنیادی اور بہت اہم عنصر ہے بلکہ زبان کلچر پر اثر انداز ہونے والا بہت بنیادی جزو بھی ہے۔ دنیا بھر کے کلچر زبانوں سے پیوستہ ہیں۔ واضح طور پر یہ کہنا کہ زبان کلچر پر زیادہ اثر انداز ہوتی ہے یا کلچر زبان پر نہایت مشکل کام ہے۔ انسانی تاریخ میں تمام علوم وفنون دراصل اس بات کی گواہی ہیں کہ انسان مادی ترقی کے ساتھ ساتھ جمالیاتی اور تخلیقی سطح پر ترقی کو کس قدر اہمیت دیتا ہے۔ جدید مادی ترقی تو گذشتہ پانچ چھ صدیوں میں زیادہ برق رفتاری سے سامنے آئی ہے مگر علوم وفنون کی ترقی خصوصاً فنون لطیفہ بہت پہلے سے انسانی تہذیب کے ساتھ وابستہ ہیں آج انسان کی ترقی کا معیار جانچنے کا پیمانہ بلاشبہ سائنس اور دیگر علوم ہیں مگر ایک وقت تک فنون لطیفہ ہی کسی تہذیب قوم اور خطہ ارض کی ترقی کا پیمانہ تصور کیے جاتے تھے۔

* شعبہ اُردو، سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا

دنیا بھر کی تہذیبوں میں جہاں دیگر فنون لطیفہ (موسیقی، مصوری، مجسمہ سازی، سنگ تراشی اور فن تعمیر) انسانی ارتقاء کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے رہے وہیں پر ادب بھی انسانی ارتقاء کا چشم دید گواہ رہا ہے۔ اس بحث میں الجھے بغیر کہ فن لطیف کا بنیادی مقصد کوئی مادی فائدہ پہنچانا ہے یا پھر انسانی حسِ جمال کو حظ پہنچانا، یہ امر واضح ہے کہ انسان ہمیشہ سے کسی نہ کسی فن لطیف سے جڑا رہا ہے۔ جڑت کا یہ عمل انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی۔ ادب کے نثری حصے پر جب توجہ کی جاتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ نثری اصناف ادب میں ناول کی صنف نہایت اہم، وقیع اور کثیر سرمائے کی حامل ہے۔ اگرچہ ناول جدید انسانی سماج کی پیداوار ہے اور یہ جدید سماج، زندگی کے حقیقی اور وجودی معیارات کو بنیاد بنا کر آگے بڑھا ہے۔ اسی بناء پر ناول کو بھی حقیقت نگاری کا مظہر گردانا جاتا ہے۔

افسانوی ادب (Fiction) میں ناول کی صنف دنیائے ادب کی معتبر ترین صنف تصور کی جاتی ہے۔ ناول کو افسانوی ادب میں ایک چھتنار درخت کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ صنف اپنے اندر جس وسعت اور تنوع کی حامل ہے۔ اس بناء پر ناول کو ہمیشہ پختہ کار ذہن کی تخلیقی سرگرمی اور پختہ ذہن کے حامل قارئین کی پسند قرار دیا جاتا ہے۔ بلاشبہ دنیا کی زبانوں کے ادبی سرمایہ میں ناول کو منفرد مقام حاصل ہے۔ شعر و نثر میں عمومی طور پر تخلیق کار اپنا اظہار کرتا ہے۔ یہ اظہار کیوں کیا جاتا ہے۔ کیا یہ اظہار بہت ضروری ہے، اور کیا اس اظہار کے لیے ادبی پیرائے کی شرط بھی ضروری ہے۔ یہ وہ تمام سوالات ہیں کہ جن پر ناقدین شعر و ادب وقتاً فوقتاً قلم اٹھاتے رہتے ہیں اور اپنی اپنی آراء کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ اس میں تو کوئی کلام نہیں ہے کہ تخلیق کار اپنا اظہار صرف اپنے اطمینان کے لیے نہیں کرتا، بلکہ اپنے داخل کو خارج کے امتزاج سے اس طرح پیش کرتا ہے کہ وہ اظہار ایک مجموعی اظہار کی شکل بن جاتا ہے یہی مجموعی شکل دراصل کسی تہذیب کا چہرہ بنتی ہے۔

انسان نے اپنے ارتقاء میں جس جس طریقہ کو بھی ذریعہ اظہار بنایا ہے، اس کی بنیاد میں کوئی نہ کوئی کہانی کسی نہ کسی طرح مضمر ہے۔ یہی کہانی ہی تو ہے جو ازل سے انسان کے ساتھ جڑی ہے اور ابد تک جڑی رہنے کی قسم کھائے بیٹھی ہے۔ درحقیقت خالق کائنات نے جس طرح انسان کو تخلیق کیا ہے، وہ آج تک کی سب سے بڑی کہانی ہے۔ کہانی انسانی سرشت کا حصہ فطری طور پر نہیں بھی تھی، تو صدیوں کے تعلق نے کہانی کو انسانی سرشت کا حصہ بنا دیا ہے۔ انسانی سماج بے شمار کہانیوں کا مرقع اور مجموعہ ہوتا ہے۔ ہر لمحہ ایک نئی کہانی جنم لیتی اور پروان چڑھتی ہے۔ کہانی کو اگر ان معنوں میں نہ لیا جائے، جو آج کے جدید عہد میں کسی فلم، ڈرامے یا افسانے کی محدود کہانی ہوتی ہے تو یہ راز منکشف ہوگا کہ ایک کہانی تو ازل سے چل رہی ہے اور روز ذیلی کہانیاں اس ازلی کہانی کا پیٹ بھرنے کے لیے جنم لیتی ہیں اور ایک مخصوص مدت کے بعد طبعی موت کو پہنچتی ہیں۔ دراصل کہانی تو انسانی ارتقاء کا دوسرا نام ہے۔ انسانی تہذیب کے مختلف ادوار میں یہ کہانی کئی رنگوں اور ذرائع سے اپنا وجود قائم رکھنے کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی میں رنگ بھرتی چلی آ رہی ہے۔ یہ کہانی کسی نانی یا دادی کی گود میں ہلکارے لیتی ہے تو کہیں قہوہ خانوں اور چائے خانوں

میں اپنا گرم' سرد دکھاتی ہے۔ یہ کہانی کھیتوں کی منڈیروں پر پرندوں کے ساتھ دانہ چگنے آتی ہے تو کہیں یہی کہانی چوپالوں، ڈیروں اور چولہوں کے گرد دہرائی جاتی ہے۔ کہانی دراصل بچوں سے لے کر بوڑھوں اور جذباتی افراد سے لے کر منطق کے گھونٹ بھرنے والے فلسفیوں کی پسند بن کر سامنے آتی ہے۔ کہانی کے لیے مرد و زن دونوں برابر ہیں' اور یہ اپنا اثر دونوں پر برابر دکھاتی ہے۔ کہانی انسانی سماج اور تہذیب کا وہ جزو لازم ہے' جس کے بغیر کسی بھی سماج اور تہذیب کے چہرے کی شناخت مشکل ہو جاتی ہے۔ کہانی بظاہر جتنی فرضی اور علامتی ہوتی ہے حقیقت میں اتنی انسان اور انسانی سماج کے ساتھ جڑی ہوتی ہے۔ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کہانی تو دراصل انسانی تجربات' مشاہدات' اور ارتقاء کا خمیر اور ضمیر ہے۔ لہٰذہ اسی کہانی کو ادب اور دیگر فنون لطیفہ میں کئی واسطوں اور ذریعوں سے پیش کیا جاتا ہے۔ کہانی انسانی زندگی کا اتنا گہرا اور لازمی جزو ہے کہ بھوکا بچہ کہانی سنتے سنتے نیند کی آغوش میں جا سکتا ہے اور مصیبت اور پریشانی زدہ شخص کہانی کے سحر میں مبتلا ہو کر اپنی مصیبت اور پریشانی کو بھلا بیٹھتا ہے۔ کہانی کے تخم سے پھوٹنے والے ادب کو ماہرین ادب کئی طرح کی اصناف میں تقسیم کرتے ہیں۔ یقیناً یہ تقسیم ادب کی جدید ہیئتی ضرورتوں کے پیش نظر کی جاتی ہے۔ یاد رہے یہ اصناف دریافتیں ہیں ایجادات نہیں۔ کہانی اپنے اندر بے پناہ وسعت اور تنوع رکھتی ہے۔ ادب میں کہانی کی جہاں دیگر بہت سی اصناف ہیں۔ وہیں پر ناول بھی اسی کہانی کی ایک شکل ہے۔

ناول کی بنیاد قصہ اور کہانی ہے۔ یہ اپنی وسعت اور تجرباتی تنوع کی وجہ سے اپنے اندر' سماج کے ہر رنگ کو سموتا چلا آیا ہے۔ فلسفیانہ مباحث سے لے کر تاریخ انسانی کا ہر ممکنہ منظر نامہ ناول میں قصے' کہانی کے رنگ میں پیش ہوتا چلا آیا ہے' گذشتہ چار سے پانچ سو سال میں ناول کے اسلوب نے بھی بہت سے رنگ بدلے ہیں اور اپنی فکری و فنی رنگا رنگی کی وجہ سے دوسری افسانوی اصنافِ ادب سے ممتاز ٹھہرا ہے۔ ناول کی بنیاد قصہ ہے اور یہ قصہ کسی حد تک انسانی فطرت کا حصہ ہے۔ قصہ کسی بھی شکل (زبانی' تحریری' عملی) میں انسان کو ہمیشہ اپنی طرف کھینچتا ہے۔ انسانی روزمرہ زندگی میں بہت سے فرضی' علامتی اور مختصر قصوں سے لے کر روایتی اور مسلم قصے ماضی بعید سے آج تک انسان کے ساتھ زندہ ہیں۔ قصہ اور انسانی سماج لازم و ملزوم کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ ہر تہذیب انسانی اور مختلف تاریخی ادوار میں قصوں نے انسانی سماج کو اپنے اندر سمویا ہے۔ اور انسان نے ان قصوں کی مدد سے کسی حد تک اپنی تہذیب کے بنیادی عناصر اور خد و خال کو پیش کیا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ جدید دنیائے ادب میں ان قصوں کو مختلف اصناف اور ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ مگر ان تمام اصناف میں مرکزی حیثیت ہمیشہ قصے کی رہی ہے۔ ناول جدید کہانی کا پرتو ہے۔ انسانی مزاج اور فطرت پر غور کیا جائے تو پتہ چلے گا' کہ انسان کبھی بھی اپنے موجود سے مطمئن نہیں رہا۔ ہمیشہ وہ نئے سے نئے پن کا متلاشی رہا ہے۔ کبھی اس کی وجہ یکسانیت اور اکتاہٹ رہی ہے' تو کبھی تجسس اور ان دیکھے منظروں کی جستجو' غرض وجہ کوئی بھی ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ انسان خود کو آگے بڑھانے کے لیے رائج عمل میں تبدیلی

چاہتا ہے۔ یہ تبدیلی وہ خود سے وابستہ چھوٹے سے چھوٹے عمل سے لے کر بڑے سے بڑے عمل میں چاہتا ہے۔ یہی رویہ دراصل انسانی ترقی کا راز ہے۔ ادب اور اصناف ادب بھی انسانی زندگی کا حصہ ہیں۔ اسی بناء پر انسان کبھی بھی موجود ادب سے مطمئن نہیں رہا۔ یہ عدم اطمینان اسے ادب میں نئے سے نئے تجربات کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ انہیں تجربات اور تخلیقی کاوشوں کے نتیجے میں ادب نت نئی اصناف اور اظہاریوں کو ممکن بناتا ہے۔ یہی رویہ دراصل ناول جیسی صنف کے سامنے آنے کی ایک وجہ بنا کیونکہ ناول کی بنیاد کہانی تو ناول کی دریافت سے پہلے بھی کسی نہ کسی شکل میں انسانی سماج کا حصہ تھی۔ قدیم تہذیبوں اور انسانی سماجوں میں قصہ کہانی کسی نہ کسی شکل میں رائج رہی، اسی بات کو ڈاکٹر ارتضیٰ کریم کے الفاظ میں دیکھیے ۔

''دنیا کے ان تمام ممالک میں قدیم قصوں کی روایت ملتی ہے، جو تہذیب وتمدن کا منبع ہیں یا جہاں سے علم وحکمت کے چشمے نکلتے ہیں۔ اہل یونان اس ضمن میں سامنے کی مثال ہیں۔ وہ صرف شاعری اور موسیقی کی دیویوں کے ہی پجاری نہ تھے بلکہ قصہ گو بھی تھے۔ ان کے حکما کا خیال ہے کہ یونان میں قصہ گوئی شاعری اور موسیقی سے بھی قدیم تر ہے۔ ہندوستان میں مہا بھارت کا دور ایلیڈ سے تقریباً پانچ سو سال پہلے کا عہد ہے۔ ویدک عہد اس سے بھی قدیم ہے۔ رامائن، وید اور مہا بھارت سب کی تعمیر وتشکیل مناجاتوں، گیتوں اور جادوٹونے کے اشلوکوں سے ہوئی ہے''۔ (۱)

ناول کی تحقیق وتنقید کے مطابق ناول کا آغاز مغرب سے ہوا۔ ناول کے آغاز کو مجموعی طور پر مغرب میں تہذیبی تبدیلیوں سے جوڑا جاتا ہے۔ جدید ناول کو یورپ میں صنعتی دور کی پیداوار سمجھا جاتا ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ ناول دراصل انسانی سماج اور تہذیب میں اقدار کی تبدیلی کیساتھ رونما ہوا ہے۔

''تہذیبی تبدیلی کا آغاز چونکہ واضح اور فیصلہ کن انداز میں مغرب میں ہوا تھا۔ وہیں جاگیردارانہ تہذیب کو پچھاڑ کر تاجرانہ اور سرمایہ دارانہ انقلابات نے فتح پائی تھی۔ سو مغرب ہی نئی صنفِ ادب ناول کی جنم بھومی ٹھہرا''۔ (۲)

ناول کی صنف کے بارے میں ناول کی ابتداء سے ہی ناول نگاروں اور ناول کے ناقدین نے مختلف تعریفیں کی ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ان تعریفوں میں ردوبدل بھی ہوتا رہا ہے۔ اس ردوبدل کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ناول کے فن میں تجربات کی کثرت ہے۔ لہٰذا آج کا ناول اٹھارویں اور انیسویں صدی کے ناول سے کہیں زیادہ متنوع اور اپنی حیثیت میں کثیر سرمائے کا مالک ہے۔ ذیل میں ناول کے متعلق مختلف آراء کو مختصراً پیش کیا جا رہا ہے۔ ایچ جی ویلز ناول پر رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''ہر اچھے ناول کی پہچان اس کی حقیقت نگاری ہے۔ اس کی غرض زندگی کی نمائش ہے۔ اس کو حقیقی زندگی اور سچے واقعات پیش کرنا چاہئیں۔ نہ کہ ایسی زندگی اور ایسے

واقعات جو کتابوں سے لیے گئے ہوں۔ اس لیے اسے تجربہ، مشاہدہ، صحیح افواہ اور نئے خیال کے علاوہ کچھ نہ ہونا چاہیے۔ جنہیں دوسرے الفاظ میں دہرایا جائے اور دوسرے موقعوں پر لگا دیا جائے''۔(۳)

ناول اور زندگی پر بحث کرتے ہوئے ایک اور نقاد رقم طراز ہیں۔

"Novels are made of the ordinary stuff of life, they are commentaries on the contemporary life, a portrayal of the manners and men of the present date. These events are such as happened, or can happen to anyone".(4)

ایک اور نقاد کے مطابق ناول جدید دور کے انسان کو زندگی کی مشکلات کا سامنا کرنے میں مدد فراہم کرتا ہے۔

"Novels are not life, their situation of telling their stories is alienated from lived experience, their subject matter is heavily oriented towards the ideological, and their function is to help humans adapt to the fragmentation and isolation of the modern world."(5)

جدید دور کا انسان مافوق الانسان قصوں اور کہانیوں سے کسی حد تک اکتا چکا تھا۔ ویسے بھی کس قدر عجیب بات ہے کہ انسان باقی معاملات اور شعبہ ہائے زندگی میں تو جدت کا شکار ہو جائے، مگر کہانی اسی طرح مافوق الانسانی حوالوں سے مزین ہو۔ مغرب میں ناول کی ابتداء میں جہاں دیگر عناصر نے بنیادی کردار ادا کیا وہیں پر انسانی زندگی کے جدید تقاضوں کے مطابق کہانی کو زمینی بنانے کے عنصر نے بھی بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر ارتضٰی کریم لکھتے ہیں۔

''اگرچہ مغرب میں فکشن کی روایت بہت پرانی ہے اور شروع میں وہاں بھی فکشن کے نام پر Fairy Tales, Romances اور Allegories وغیرہ ہی لکھے گئے لیکن اردو کی ہی طرح انگریزی میں بھی ان اصناف کو سنجیدہ ادب سے ان معنوں میں خارج کر دیا گیا کہ یہاں انسان کی ارضی زندگی کی کوئی تصویر نہیں بنتی، ان کی غرض حقیقت نگاری نہیں بلکہ حیرت انگیزی ہوتی ہے۔ ان کا مقصد تفریح و تفنن ہے نہ کہ مسائل زندگی کا بیان حالات کے تحت ادبی رویوں میں بھی تبدیلی آتی ہے۔ چنانچہ سترہویں صدی کے وسط تک مغرب میں بھی Romances کا رواج کم ہوتا گیا اور بدلتے

ہوئے سیاسی، سماجی اور تہذیبی تقاضے ناول کا خمیر تیار کر رہے تھے“۔(۶)

بیشتر زبانوں میں لکھے جانے والے ناول نے اپنے ماضی اور حال کے مسائل اور سماج کو بھرپور طریقے سے موضوع بنایا ہے۔ دراصل ناول کے اندر حقیقت نگاری کے عنصر نے اسے ہمیشہ سماج سے جوڑے رکھا ہے۔ ناول کیا درحقیقت زندہ ادب ہمیشہ اپنے عصر اور سماج سے جڑا ہوتا ہے۔ ایسا ادب جو اپنے عصر اور سماج سے نہ جڑا ہو، عمومی طور پر ایسی تخلیق ثابت ہوتا ہے۔ جو انسانوں کی بجائے فضائی مخلوق کے لیے تخلیق کیا گیا ہو۔ کہ عصریت اور سماجیت ہر فن پارے میں مختلف زاویوں اور طریقوں سے پائی جاتی ہے۔ دنیائے ادب کی ہر صنف میں عصریت اور سماج کی پیش کش مختلف انداز سے کی جاتی ہے۔ ادب اور عصریت کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر وزیر آغا رقمطراز ہیں۔

> ادیب محض اپنے عصری جوار بھاٹے سے متاثر نہیں ہوتا۔ وہ اپنے عصر کی روح اس کے جوہر سے بھی متعارف ہوتا ہے۔ مقدم الذکر سطح پر وہ تجربے اور مشاہدے کے مراحل سے گزرتا ہے۔ اور موخر الذکر سطح پر اپنے تخلیقی عمل کی مدد سے انکشاف وعرفان کے مراحل سے آشنا ہوتا ہے۔ مگر یہ دونوں سطحیں الگ الگ نہیں بلکہ باہم مربوط ہیں۔ وہ یوں کہ ادیب جب اپنے عصر کے واقعات سے متاثر ہوتا ہے تو اس کے اندر تخلیقی مشین متحرک ہو کر اسے روح عصر سے ہم رشتہ کر دیتی ہے۔ پھر جب وہ ادب تخلیق کرتا ہے تو اس میں محض ان دونوں کا امتزاج نہیں ہوتا بلکہ تخلیق کار کی اپنی ذہانت کی آمیزش سے ایک ایسی شے خلق ہو جاتی ہے جو بے مثال بھی ہوتی ہے اور لازوال بھی“۔(۷)

باقی اصناف ادب کی نسبت ناول اپنے وسیع کینوس اور مزاج کی وجہ سے ہم عصر تاریخ اور سماج کو زیادہ وقیع اور وسیع رنگ میں اپنے اندر سمو سکتا ہے۔ ناول نگار پر یہ پابندی تو نہیں ہے کہ وہ تخیل سے کام نہیں لے سکتا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ وہ تخیل کو اپنے سماج اور اس کے مسائل سے جوڑے رکھتا ہے۔ وہ شعوری اور لاشعوری سطح پہ اپنے اردگرد کو حقیقی رنگ میں پیش کرتا ہے۔

ناول اور تاریخ کا تعلق بہت گہرا ہے۔ ناول تاریخ کو جزوی طور پر اپنے اندر سمیٹ کر تاریخ کو کہانی کی شکل عطا کرتا ہے تو یہی تاریخ ناول کو بنیادی مواد اور مآخذ بھی فراہم کرتی ہے۔ ناول میں تاریخ کو عمومی طور پر دو حوالوں سے پیش کرنے کا رجحان رہا ہے۔ تاریخی ناولوں میں عمومی طور پر ماضی بعید کے کرداروں، واقعات اور عہد کو پیش کیا جاتا ہے، اسی کے ساتھ ساتھ ناول میں ہم عصر تاریخ اور سماج کو پیش کرنے کا رجحان خاصا قوی ہے۔ دراصل عمومی ناول تو ہوتا ہی اپنے عہد کا عکاس ہے، یہ عکاسی سیاسی، سماجی اور دیگر حوالوں پر مبنی ہوتی ہے۔ ہم عصر تاریخ کو ناول میں سمونے اور محفوظ کرنے کا عمل جہاں ناول کو نئی جہت اور تجربہ عطا کرتا ہے، وہیں پر اس دور کی تاریخ کو محفوظ

کرنے کا ذریعہ بھی بنتا ہے۔اس طرح عمومی تاریخ کے متوازی ناول اور دیگر ادبی اصناف کی مدد سے کسی عہد اور سماج کی تاریخ مرتب ہوسکتی ہے۔ کیونکہ ادب کا بنیادی کام تاریخ مرتب کرنا نہیں ہے۔ادب کے بنیادی کردار پر بحث کرتے ہوئے دیویندر اسر لکھتے ہیں۔

> ''اس میں شک نہیں کہ ادب' زندگی اور سماج کا گہرا رشتہ پیش کرتا ہے۔لیکن یہ کہنا کہ ادب سماج کا براہ راست بیرومیٹر ہے دراصل آرٹ' آئینے اور کیمرے کے فرق کو نظر انداز کرنا ہے۔ کیونکہ ہم فرسٹریشن کے دور میں رہ رہے ہیں۔اس لیے ہم فرسٹریٹ ہو کر لکھیں گے۔ یا اس دور میں کنفیوژن ہے لہٰذا ادیب کنفیوزڈ ہو کر لکھے گا' صحیح نہیں۔ آرٹ متناعی ہے۔تخلیق ہے۔رپورٹ نہیں۔ ہمارا دور ادب کا مواد مہیا کرتا ہے۔ اسے تخلیق کے سانچے میں ڈھالنا اور صنعت گری سے پیش کرنا فن کار کا فریضہ ہے''۔(۸)

تاریخ اور ادب میں عصری تاریخ کے محفوظ ہونے میں بنیادی فرق جزئیات اور کل کا ہے۔تاریخ ہمیشہ کسی بھی عہد' علاقے اور تہذیب کے اہم واقعات' شخصیات اور دیگر امور کو زیر بحث لاتی ہے۔ جب کہ ادب خاص کے ساتھ عمومی زندگی کی جزئیات کو کل کی شکل دیتا ہے۔تاریخ اور مؤرخ عمومی طور پر چھلانگیں لگاتے ہوئے وقت کے ایک خانے سے دوسرے خانے میں داخل ہوتا ہے۔ جب کہ ادب عمومی طور پر پاؤں پاؤں چلتا ہوا اپنے اردگرد کی زندگی کی بظاہر غیر اہم جزئیات کی عکاسی کرتا ہے۔تاریخ اس فلم کی طرح ہے' جس میں مختلف مناظر کو جوڑ کر ایک کہانی بنائی جاتی ہے۔ان مناظر کا درمیانی رابطہ عمومی طور پر ناظر اپنی صوابدید سے جوڑتا ہے۔ جب کہ ادب کسی بھی کہانی کو مکمل طور پر پیش کرتا ہے۔تاریخ ہمیشہ ان واقعات' کرداروں اور امور پر اپنی توجہ مبذول کرتی ہے' جو کسی خاص پس منظر کا احاطہ کیے ہوتے ہیں۔ جب کہ ادب ان خاص واقعات کے ساتھ جڑے ہوئے عمومی پس منظر کو بھی یکساں اہمیت دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ کا قاری ہمیشہ یا تو مرعوب ہوتا نظر آتا ہے یا مایوس۔مگر ادب کے قاری میں اعتدال اور توازن کی قدرے بہتر صورتحال پائی جاتی ہے۔ایک ادیب یا ناول نگار اس لیے ناول نہیں لکھتا کہ وہ کسی عہد کی خاص تاریخ کو محفوظ کرنا چاہتا ہے۔بشرطیکہ وہ تاریخی ناول نہ ہو۔درحقیقت وہ اپنے عصر کی چلتی پھرتی زندگی کا عکس اپنی تحریروں میں پیش کرتا ہے یا کرنا چاہتا ہے۔اسی بناء پر وہ کسی خاص عہد' شخصیت یا واقعے کو اپنی کہانی کی بنیاد بناتا ہے۔مگر اس کے لیے وہ پورے پس منظر کو حتی الوسع پیش کرتا ہے۔

بیسویں صدی میں اگرچہ ناول کے اسلوب اور تکنیک میں بہت سے تجربات کی بدولت تبدیلیاں رونما ہوئیں مگر اپنے عصر اور سماج کو کسی نہ کسی طرح ناول نگار موضوع بناتے رہے۔بیسویں صدی میں انسانی سماج کے جدید مسائل' عالمی جنگیں' دنیا میں مختلف قوموں اور ممالک کے تبدیل ہوتے ہوئے جغرافیے' معاشی اور سیاسی اجارہ داریوں کے مسائل' اور ترقی یافتہ ممالک یا اقوام کا ترقی پذیر ممالک اور اقوام پر قبضہ برقرار رکھنے کے لیے نئے

طریقوں کا استعمال' غرض یہ کہ انفرادی میلانات ومسائل سے لے کر اجتماعی میلانات ومسائل ناول نگاروں کے ہاں موضوع بنے رہے۔ اور مورخین کے ساتھ ساتھ ناول نگار اپنے عہد کی تاریخ کو محفوظ کرنے کا فریضہ سرانجام دے رہے تھے۔ ناول میں عصری صورتحال کو ہو بہو پیش کرنے کو حقیقت نگاری کی ایک شکل سمجھا جاتا ہے۔ اور حقیقت نگاری بھی دراصل ناول کی پہچان ہے۔ اس حوالے سے ایک اقتباس دیکھیے۔

> ''وہ لوگ جو حقیقت نگاری کی ماہیت کی باتیں کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ سچا حقیقت نگار وہ ہے جو کسی ملک یا سماج کے ان استحصال کرنے والوں اور استحصال ہونے والوں کی ایسی تصویر پیش کرے۔ جن سے ناول نگار کی جذباتی وابستگیوں کا اظہار ہو سکے اور اس کی پیش کش میں وہ اسپرٹ بھی رواں دواں ہو جو زندگی اور اس کی ارتقاء سے ہمدردی رکھتی ہو' جو وقت اور تاریخ کے ساتھ اپنا فیصلہ' تجربہ اور تجزیہ پیش کرتی جاتی ہے اور یہ تجربے اور تجزیے زندگی میں آتی ہوئی تبدیلیوں اور ان کے اسباب کے درمیان سے لے کر ناول نگار پیش کرتا ہے''۔ (۹)

ناول نے اپنی ابتداء سے اپنے عہد' سماج اور ہم عصر تاریخ کو جزوی طور پر اپنا موضوع بنایا ہے۔ یہ تجربہ انتہائی کامیاب بھی ہے اور سودمند بھی۔ ہر زبان میں ایسے بہت سے ناول موجود ہیں' جو تاریخی واقعات' کرداروں یا پھر تہذیبوں پر لکھے گئے ہیں۔ ایسے ناولوں کو باقاعدہ طور پر تاریخی ناول کہا جاتا ہے۔ اگرچہ ایک عرصے تک ایسے ناولوں کو ناول ماننے سے بھی انکار کیا گیا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر رشید احمد گوریجہ اپنے مقالے میں تحریر کرتے ہیں۔

> ''تاریخی ناول کی اصطلاح ابھی تک متنازعہ فیہ ہے' کئی نقاد اسے سرے سے ہی غلط قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک تاریخی ناول صنف ناول کی کوئی قسم ہی نہیں۔ جبکہ بعض لوگ تاریخی ناول کے فن کو عام ناول کے فن سے زیادہ نازک اور اہم گردانتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک تاریخی ناول کچھ اور اہم ادبی مقاصد بھی پورے کرتی ہے''۔ (۱۰)

تاریخی ناول کی بحث میں بلاشبہ یہ سوال ابھرتا ہے کہ تاریخ کے ہوتے ہوئے تاریخی ناول کی کیا ضرورت ہے۔ اگرچہ اس کا مؤثر جواب تو یہ ہے کہ کیا تاریخ ہمیشہ غیر جانبدار ہوتی ہے؟ یا پھر تاریخ مختلف مصلحتوں کا شکار نہیں ہوتی؟ حقیقت یہ ہے کہ تاریخ دان جب شعوری طور پر تاریخ کو محفوظ کرتا ہے تو وہ کسی حوالے سے نرم اور کسی حوالے سے سخت گوشہ رکھتا ہے۔ اسی بنا پر کئی حوالوں سے تاریخ جانبداری کا شکار ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات مورخ چاہتے ہوئے بھی غیر جانبدار نہیں رہ سکتا۔ کچھ فطری مجبوریاں اس کو ایسا کرنے سے روکتی ہیں۔ مورخ کی انہیں معذوریوں اور مجبوریوں پر ڈاکٹر سعادت سعید نے اپنے ایک مضمون میں تفصیلی بحث کی ہے' وہ اس حوالے سے بہت اہم رائے دیتے ہیں۔

''مورخ جسے اپنے غیر جانبدار اور غیر متعصب ہونے پر کامل فخر ہوتا ہے۔ اور وہ مہیا شدہ یا تحقیق یافتہ مواد کو ایک مبصر کی صورت قارئین کے سامنے لانے کو اپنی دیانت داری سے تعبیر کرتا ہے۔ انسان ہونے کے ناتے' ارادے اور تمنا کی بھول بھلیوں میں بھی گم رہتا ہے۔ اس کی پرورش میں خاص ماحول اور کلچر کا عمل دخل ہوتا ہے۔ اس کے لیے میکانکی انسان کی صورت اختیار کرنا ناممکنات میں سے ہے۔ اس کی سائیکی مخصوص حوالوں کے اثاثے لیے ہوتی ہے۔ مورخ انسان ہونے کے ناتے اپنے اسیروں میں ہیں اور وہ اپنی سائیکی کے افسوں زدہ برج میں مقید اپنے منتخب کردہ زمانے' ماحول' انسان' وقوعات اور گزرے مسائل و معاملات کو اپنے اپنے تعبیراتی سانچوں میں منتقل کرنے کا جتن کرتے ہیں''(۱۱)

ناول نگار چونکہ شعوری طور پر تاریخ رقم نہیں کر رہا ہوتا اسی بنا پر وہ تعصب اور جانبداری کا عمومی طور پر شکار نہیں ہوتا۔ تاریخ نویسی جن مصلحتوں کا شکار ہوتی ہے ان میں سیاسی وسماجی دباؤ' عام انسانی نقطہ نظر سے حقائق کو دیکھنے کی بجائے ایک خاص سطح سے حقائق کا مشاہدہ اور بیان دردمندی اور سوز و گداز سے بے اعتنائی حقائق کو کسی خاص پس منظر یا تاریخی تسلسل اور بہاؤ سے ہٹ کر پیش کرنے کے علاوہ' لسانی' مذہبی' سیاسی اور علاقائی تعصّبات زیادہ نمایاں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی دور یا کسی ایک تاریخی واقعہ پر لکھی گئی تاریخ میں تضادات ملتے ہیں۔ اگر چہ یہ قباحت تاریخی ناول میں بھی موجود رہتی ہے۔ کیونکہ ناول نگار بھی تاریخی مواد عموماً تاریخ کی کتابوں سے لیتا ہے مگر پھر بھی بعض حوالوں سے وہ معروضی تجزیئے اور تقابل کی بنا پر درست حقائق تک پہنچ جاتا ہے۔ تاریخی ناول میں تو درج بالا قباحتیں بہرحال موجود ہوتی ہیں۔ مگر وہ ناول جو اپنے ہم عصر سماج کو پیش کرتا ہے۔ اس میں قباحتیں نہ ہونے کے برابر ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہاں پر ناول نگار اپنے سماج کا شاہد ہوتا ہے۔ نہ صرف وہ سماج کا مشاہدہ کرتا ہے بلکہ اُس سماجی تجربے کا حصہ بھی ہوتا ہے۔ اس بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا بھر کی زبانوں میں لکھے جانے والے ناول میں معاصر صورتحال کی عکاسی کسی بھی تاریخ کی کتاب سے زیادہ بہتر انداز میں ملتی ہے۔ تاریخ کے پھیکے اور یک رخے حقائق کو جب افسانویت کے لبادے میں پیش کیا جاتا ہے تو تاریخ اپنے اندر ایک زندگی محسوس کرتی ہے اور ناول کے ذریعے وہ تاریخ زیادہ غیر جانبدار اور متحرک نظر آتی ہے۔ سماجی تاریخ صرف ناول میں پیش نہیں ہوتی بلکہ ہر صنف ادب میں خصوصاً شاعری میں بھر پور طریقے سے پیش کی جاتی ہے۔ عظیم الشان صدیقی سماج اور ناول کے تعلق پر رقم طراز ہیں۔

''سماجی ناول میں محض کسی گھر خاندان یا کسی طبقہ کی زندگی کو پیش نہیں کیا جاتا ہے بلکہ اس میں سماج کے مختلف شعبہ ہائے زندگی مذاہب' عقائد' شادی بیاہ کی تقریبات' رسومات' معاشی مسائل' طبقاتی امتیازات' نظریاتی اختلافات' تفریحی مشاغل' سماجی

برائیاں اور خوبیاں بیان کی جاتی ہیں۔ اس قسم کے ناولوں کو محدود عصری یا معاشرتی ناول بھی کہہ سکتے ہیں''۔ (۱۲)

کینوس وسیع ہونے کی وجہ سے عصری، سماجی تاریخ زیادہ مؤثر طریقے سے ناول میں پیش ہوتی ہے۔ اس حوالے سے دنیا کی تمام بڑی زبانوں کے ناولوں میں وافر مواد موجود ہے۔ ناول کی ابتداء سے لے کر آج تک ناول میں عصری میلان اور مسائل کو پیش کرنے کا رجحان بہت مضبوط رہا ہے۔ ناول اور سماج کے تعلق پر بحث کرتے ہوئے احتشام حسین رقمطراز ہیں۔

''ناول جہاں سماج کا علم افراد کے ذریعہ ہم تک پہنچاتا ہے۔ وہیں وہ سماج کے پیچیدہ داخلی اور خارجی عمل کا مظہر بن جاتا ہے۔ لیکن اسے محض کسی خاص سوسائٹی یا عہد کی تاریخ بھی نہیں سمجھنا چاہیے۔ کیوں کہ اس میں سطح کے ساتھ ساتھ گہرائی کا ناپنا بھی ضروری ہوتا ہے''۔ (۱۳)

ادب ہمیشہ سے زندگی اور عصری مسائل کا آئینہ دار رہا ہے۔ چاہے وہ علامتی رنگ لیے کیوں نہ ہو۔ کوئی بھی ادبی صنف اور تحریر اپنے سماج سے کٹ کر زندہ نہیں رہ سکتی۔ ناول میں تو یہ کیفیت بہت وسعت کے ساتھ پیش ہوتی ہے۔ روزمرہ زندگی کی تبدیلیوں سے لے کر بڑے بڑے انقلابات کی بازگشت ناول میں سنائی دیتی ہے۔ ممتاز حسین اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

''زندگی میں جو سرعت اور سماجی رشتوں میں جو روز افزوں تبدیلی پیدا ہورہی تھی۔ اس نے زیادہ تر لوگوں کو سماجی زندگی کے مظہر کو اس کی جامعیت کے ساتھ پیش کرنے پر مجبور کیا ہے۔ لیکن اس بنیادی سبب کے باوجود یہ فن زیادہ ترقی نہ کرسکتا اگر سماجی علوم نے معاشرے کی ہیت اور اس کے تاریخی ارتقاء کو سمجھنے میں اور سوسائٹی کے مفہوم کو متعین کرنے میں مدد نہ پہنچائی ہوتی۔ ان دونوں ہی چیزوں نے مل کر موجودہ دور کی ناول نگاری کو جنم دینے میں حصہ لیا ہے۔ اور گو اس میں شبہ نہیں کہ رومانوی تحریک کے زیر اثر اس کی ہم عصریت کو نقصان بھی پہنچا۔ لیکن رومانوی تحریک کے زوال پر اس کی ہم عصریت پھر لوٹ آئی''۔ (۱۴)

ناول نگار اپنے ناولوں میں سماج کی بِتائی ہوئی زندگی کو ازسرِ نو تخلیق کرتا ہے۔ اس لیے بعض اوقات تخیل کی کارفرمائی حقیقی اور پیش کردہ زندگی میں کچھ فرق قائم کردیتی ہے۔ مگر دونوں زندگیوں کی بنیاد ایک ہی رہتی ہے۔

''ناول میں سب سے زیادہ اہم چیز زندگی کی تخلیق ہوتی ہے۔ زندگی ہر صنف ادب کے لیے ضروری ہے مگر جتنے مکمل طور پر اور جتنی قریب آ کر زندگی، ناول تخلیق کرتی ہے، اتنی کوئی صنف ادب نہیں کرتی۔ اس لیے ناول سے دلچسپی زندگی سے دلچسپی

ہے''۔(۱۵)

ان معاصر صورتحال کے عکاس ناولوں میں بعض اوقات فنی قباحتیں موجود ہوتی ہیں اور ایسے ناول کسی پروپیگنڈا مہم کا حصہ نظر آتے ہیں۔ وارث علوی ایسے ناولوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> ''سیاسی تاریخ کے دستاویزی ناول اور سیاسی تحریک کے پروپیگنڈا ناول یہ کام نہیں کرتے۔ ایسے ناول اچھے ہو سکتے ہیں دلچسپ بھی ہو سکتے ہیں لیکن چونکہ وہ انسان کے متعلق کم اور تاریخ اور سیاست کے متعلق زیادہ بتاتے ہیں۔ اس لیے ان کی اہمیت اور قدر نسبتاً گھٹ جاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تاریخ اور سیاست کا علم دوسرے ذریعوں سے بھی حاصل ہو سکتا ہے''۔(۱۶)

وارث علوی کی رائے نہایت معتبر ہے۔ عمومی طور پر ناول نگار ہم عصر تاریخ کو موضوع بناتے ہوئے سماج کے کسی ایک پہلو پر اپنی توجہ زیادہ مرکوز کرے تو کئی فنی قباحتیں پیدا ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کسی ناول نگار کے ہاں سیاسی منظر نامہ باقی تمام منظر ناموں پر حاوی ہو جائے، تو ایسے ناول کہانی کی بجائے سیاسی کشمکش اور عروج و زوال کی داستان بن جاتے ہیں۔ اسی طرح بعض ناولوں میں مذہبی پہلو ہو جاتے ہیں۔ عصری تاریخ کو پیش کرتے ہوئے ناول نگار کو اس بات کو مدنظر رکھنا ہوتا ہے کہ پلاٹ پر کہانی اور کہانی نما واقعات غالب رہیں۔ البتہ ان واقعات کا پس منظر کسی بھی عصری صورتحال سے مزین ہو سکتا ہے۔ عصری تاریخ کی پیش کش میں دوسرا بڑا سقم اس وقت پیدا ہوتا ہے جب عصری سماج کے کسی کردار کو بنیاد بنا کر ناول تخلیق کیے جاتے ہیں۔ ایسے کردار عمومی طور پر اپنے عہد میں لوگوں کے مشاہدے کا براہ راست حصہ ہوتے ہیں، اس لیے ان کرداروں میں افسانویت پیدا کرتے ہوئے ناول نگار کو خاصی دقت پیش آتی ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض ناول نگار ایسے کرداروں کی حقیقی زندگی کو بغیر کسی بڑے تغیر و تبدل کے کہانی کا حصہ بنا لیتے ہیں، یوں ان کرداروں میں ناول کے بڑے کرداروں میں ڈھلنے کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔ کہانی سے وابستہ کرداروں میں افسانویت اور قاری سے دوری کا خاص احساس، جو کہ کہانی کے لیے نہایت ضروری ہے، اس کے امکانات بھی محدود ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ کامیاب ناول نگار اپنی فنی مہارت سے ان مشکلات پر قابو پا لیتے ہیں۔ عصری تاریخ کی پیش کش میں اس امر کو ملحوظ خاطر رکھنا نہایت ضروری ہے کہ سماج کے کسی ایک پہلو کی بجائے، پورے سماج یا سماج کے بیشتر پہلوؤں کو چلتے پھرتے کہانی کا حصہ بنایا جائے یوں فنی طور پر زیادہ بہتر رنگ میں ناول تخلیق ہو سکتے ہیں۔ مذکورہ بالا بحث کی بنا پر ناول اور ہم عصر سماج ایک لحاظ سے لازم و ملزوم ہیں۔ بلاشبہ بعض ناول جس عہد میں تخلیق ہوتے ہیں۔ ان کا اس عہد سے دور دور تک بظاہر تعلق دکھائی نہیں دیتا۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ایسے ناول تعداد میں بہت کم اور کسی خاص موضوع کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہیں۔ بیشتر ناول اپنے عہد کی کہانی ہوتے ہیں اور ان ناولوں میں سے جزوی اور کلی طور پر تاریخی حقائق اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ یوں عمومی تاریخ کے متوازی اور متبادل کسی بھی عہد اور سماج کی تاریخ مرتب کی جا سکتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ارتضٰی کریم، ڈاکٹر، ''اردو فکشن کی تنقید''، رفاقت علی شاہد، لاہور، اگست ۱۹۹۷ء، ص ۲۳

۲۔ محمد عارف، پروفیسر ڈاکٹر، ''اردو ناول اور آزادی کے تصورات''، پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۲۵

۳۔ رشید احمد گوریجہ، ڈاکٹر، ''اردو میں تاریخی ناول''، ابلاغ، لاہور، جولائی ۱۹۹۶ء، ص ۲۳

4. Shaista Akhtar Suharvardy, "A Critical Survey on the Development of the Urdu Novel and Short Story", New York: Longmans, Green & Company, London, 1945, P.1

5. Lennard J. Davis, "Resisting Novels: Ideaology and Fiction", Methuen Inc, New York, 1987, p.12

۶۔ ارتضٰی کریم، ڈاکٹر، ''اردو فکشن کی تنقید''، ص ۱۲

۷۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، ''ادب میں عصریت کا مفہوم''، مشمولہ: سہ ماہی ذہن جدید، مارچ تا مئی ۱۹۹۱ء، ص ۵۵

۸۔ دیویندر اسر، ''ادب اور تہذیب کا بحران''، مشمولہ، گفتگو جلد نمبر ا، شمارہ نمبر ۲، ۱۹۶۷ء، ص ۲۸۵

۹۔ سید محمد عقیل، ''جدید ناول کا فن''، نیا سفر پبلی کیشنز، الہ آباد، نومبر ۱۹۹۷ء، ص ۶۱

۱۰۔ رشید احمد گوریجہ، ڈاکٹر، ''اردو میں تاریخی ناول''، ص ۳۱

۱۱۔ سعادت سعید، ڈاکٹر، ''ادبی تاریخ کی مظہریات''، مشمولہ: ادبی تاریخ نویسی' مرتبین۔ ڈاکٹر سید عامر سہیل' نسیم عباس احمر، پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۱۷۶

۱۲۔ عظیم الشان صدیقی، ''اردو ناول آغاز و ارتقاء''، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۷ء، ص ۵۱

۱۳۔ سید احتشام حسین، ''ذوق ادب اور شعور''، ادارہ فروغ اردو لکھنو، ۱۹۵۵ء، ص ۴۷

۱۴۔ ممتاز حسین' ''ناول اور افسانہ''، مشمولہ، ''۱۹۵۱ء کا بہترین ادب''، مرتبین: برکت علی' مرزا ادیب، مکتبہ اردو، لاہور، جولائی ۱۹۵۲ء، ص ۱۷۴

۱۵۔ محمد احسن فاروقی، ڈاکٹر، ''اردو ناول کی تنقید''، لاہور اکیڈمی، لاہور، ۱۹۵۱ء، ص ۲۹۶

۱۶۔ وارث علوی، ''پیشہ تو سپہ گری کا بھلا''، ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۹۹ء، ص ۲۰۱